بعد مسلمانوں کی ترقی اور مزید ترقی کی استعداد کسی غلط اصول پر مبنی ہے۔ جابر حکومتوں کا اثر اُن کے جبر کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام اپنے دور حکومت کے بعد زیادہ موثر ثابت ہوا۔ منکر طبیعتیں خواہ اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کی تمام اصلاحی تحریکوں کی روح اسلام ہے۔ ممکن ہے اس روح کو عام نگاہیں نہ دیکھ سکیں لیکن جس طرح خدا کو عام نظریں نہیں دیکھتیں مگر وہ موجود ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی رگوں میں اسلامی روح گرم خون کی طرح جاری و ساری ہے۔

اگر گرو نانک کی اصلاحی تحریک اسلامی صوفیا کے روحانی آثار میں سے ایک اثر ہے تو دیا نندجی کی وحدانیت اور ہندو سماج کی نئی تنظیم، اسلام کی تنظیم کا نقش ہے۔ اوہام سے آزادی، مظلوم بیوہ عورتوں کی شادی، طلاق کی صحیح صورت مجلسی اصلاح کے لیے طبعی ابھار اسلام کی وہ نعمتیں ہیں جن کو احساس شناس ہندو اور انصاف پسند طبائع بارہا تسلیم کر چکی ہیں۔

اس موقع پر مجھے مسٹر کوئلم[1] سالسٹر لیورپول (انگلستان) کے چند جملوں کا اظہار مفید مقصد معلوم ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انہی جملوں پر اس مضمون کو ختم ہو جانا چاہیے۔

"اسلام تلقین و تبلیغ کے اعتبار سے دنیا کے ایک بڑے حصہ پر عیسائیت کے مقابلہ میں کامیاب رہا ہے، مذہب اسلام کی وسعت مراکو، جاوا اور زنجبار سے چین تک ہے۔ اس نے افریقہ میں کونگو اور زیمبزی تک رسائی حاصل کر لی اور سب سے قوی حبشی ریاست یوگنڈا کو بھی فتح کر لیا۔ ہندوستان میں نئی تہذیب ہنود کو تباہ کر رہی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے لیے راستہ صاف ہو رہا ہے۔"

---

[1] مسٹر عبداللہ کوئلم (نو مسلم)

مذہب اور انسانیت

از جناب پروفیسر یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی ورنگل کالج

مذہب کا بنیادی اصول خدا کا یقین یا ایک مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد ہے یعنی ایک ایسی ہستی کا یقین جو تمام سے بالاتر ہو جس کو مختلف الفاظ میں اللہ، خدا، گاڈ، سرب شکتی مان وغیرہ کہتے ہیں۔ تاریخ انسانیت بتاتی ہے کہ جب سے حضرت انسان کائنات کے دسترخوان پر مدعو ہوئے ہیں یا بقید حیات موجود ہوئے ہیں، اُس وقت سے اِس وقت تک ہر دور ہر زمانے میں ایک مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد پایا گیا ہے۔ دور وحشت ہو یا دورِ تمدن، علم کا زمانہ ہو یا جہالت کا، تاریخ ہو یا قبل تاریخ، ہر زمانہ میں انسانی گروہ نے ایک بڑی قوت اور زبردست ہستی کے اعتقاد کے ساتھ عاجزی اور عبادت کے اعمال وافعال ادا کیے ہیں۔

پلوٹارک کہتا ہے کہ تم کو بہت سے ایسے مقامات ملینگے جہاں نہ تمدن ہے نہ تہذیب لیکن ایسی کوئی جگہ نہ ملیگی جہاں خدا نہ ہو، غرض ایک بالاتر قوت کا اعتقاد ویقین ہر دور اور ہر زمانہ میں پایا گیا ہے اور یہ چیز تمام اقوام عالم میں مشترک ہے اور یہی مذہب کا اصل اصول ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اقوام عالم میں عبادت کے مختلف طریقے پائے گئے ہیں اور اس بالاتر ہستی کی ذات وصفات کے متعلق مختلف بیان اور نظریئے ملتے ہیں۔

لیکن یہ اختلاف اس بالاتر ہستی کے صحیح عرفان یا غلط پہچان کے مظہر ہیں! اتنا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اور انسانیت میں ایک گہرا اور نہ ٹوٹنے والا رشتہ موجود ہے۔ کیونکہ جس قدر فطری اور نیچرل چیزیں ہیں گو مختلف زمانوں میں ان کا ظہور مختلف صورتوں میں ہو لیکن وہ انسان

سے الگ اور جدا نہیں ہوسکتیں!

ہسٹری آف دی انیشنز (History of the nations) کے حصّہ کتاب کالڈیا میں لکھا ہے کہ دو چیزیں انسان کو حیوانیت سے جدا کرتی ہیں اوّل نطق دوسرے مذہب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت کا خمیر مذہب اور نطق سے گوندھا گیا ہے اور انہی دو اجزاء کے مجموعہ کا نام انسان ہے اس لیے اگر نطق کو انسان سے جدا کرلیا جائے تو انسان، انسان باقی نہیں رہتا اور اگر انسان سے مذہب الگ ہوجائے تو انسانیت کی روح ہی فنا ہوجاتی ہے ٹھیک جس طرح بھوک اور پیاس ہر جاندار کی فطرت ہے اور انسان کی بھی، لیکن کبھی سخت امراض کی وجہ سے بھوک کم ہوجاتی ہے پیاس باقی نہیں رہتی، اسی طرح جن انسانوں کو روگ لگ جاتا ہے وہ بھی مذہب اور خدا کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ بھوک کے عارضی طور سے گم ہونے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ بھوک فطری نہیں ہے۔ اسی طرح مذہب کے خال خال انکار کی وجہ سے مذہب کے فطری ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قوتِ شہوانی جاندار کے لیے ایک فطری چیز ہے جس سے بقائے نسل اور اغراضِ تمدن وابستہ ہیں۔ خال خال انسان نامرد بھی پائے جاتے ہیں لیکن ایسے انسانوں کا وجود قوتِ شہوانی کے فطری ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ یوں بھی اگر آپ ایک ایسی فہرست مرتب کریں جس میں بالاتر قوت کو ماننے والے ایک طرف اور منکرین کو دوسری طرف درج کریں تو منکرین کی تعداد اتنی ہی کم ہوگی جتنا کہ آٹے میں نمک۔ فلاسفہ کے گروہ کو لیجیے یا علماء و فضلاء کی جماعت کو، عوام کو لیجیے یا خواص کو، دنیا کی کثرت اور زیادتی خدا کے ماننے والوں اور ایک مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد رکھنے والوں کی طرف ہوگی۔

ہمارے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک نیچرل چیز ہے اس کے وجود میں انسانی ہاتھ اور صنعت کا دخل نہیں بلکہ مذہب کا ابھار خود بخود فطرت کی طرف سے عمل میں آیا ہے۔

خدا کا وجود نہ ذہن اور عقل کی پیداوار ہے اور نہ دلائل و فلسفہ کا محتاج وہ نہ نیچر کی بڑی سے بڑی چیز کے رُعب کا اثر ہے اور نہ انسان کی احتیاج اور اس کی کمزوری مذہب کی تخلیق کا باعث ہے بلکہ مذہب فطرت کا ایک لطیف اشارہ ہے۔ انسانی روح اس اشارہ سے عبادت کا جذبہ انسان میں پیدا کرتی ہے۔

عقل و مذہب کی پابندیاں فطری اُبھار پر جن لوگوں نے انسانی فطرت کا مطالعہ کیا ہے، جو حضرات مذہب اور تمدن کے فلسفے سے واقف ہیں، جن لوگوں کے ذہنوں میں تہذیب اور وحشت کے معنی کی تفسیر اور تشریح موجود ہے۔ جن حضرات کے علم میں انسانی معاشرت اور اخلاق حسنہ کی وہ حد یا حقیقت آچکی ہے جو اچھائی اور برائی تہذیب اور وحشت میں باہم امتیاز پیدا کرتی ہے وہ جانتے ہیں کہ احکام عقلی اور مذہب دونوں فطری خواہشوں اور نیچرل داعیوں پر پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ یہی عقلی اور مذہبی پابندیاں اور ان پابندیوں کا عدم، اخلاق و تہذیب کے بارے میں حسنہ و قبیحہ تہذیب و وحشت کے معنی پیدا کرتا ہے۔ ان پابندیوں کو فطرت کے خلاف یا ان نیچرل (unnatural) نہیں کہا جا سکتا بلکہ فطرت کے اشارے کو عقلی اور مذہبی پابندیاں انسان کی عملی زندگی میں مفید بناتی ہیں گویا فطرت کے اُبھار اور اُس کے لطیف اشارے عقل اور مذہب کے راستے پر گامزن ہو کر انسان کے لیے مفید اور بہتر ثابت ہوتے ہیں، بھوک، پیاس، خواہش تقاضا، روح، علم کی خواہش اور جستجو وغیرہ فطرت کے لطیف اشارے ہیں، ایک وحشی انسان جو علم وفن سے محض ناواقف ہو، مضر اور مفید چیزوں سے نابلد ہے، اپنے اس فطری اشارے کو جنگلی میوے اناپ شناپ کھا کر پورا کرتا ہے لیکن فطرت کا یہی اشارہ علم و عقل کی پابندیوں میں انسان کے لیے مفید سے مفید اور اعلیٰ سے اعلیٰ غذا مہیا کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد انسانی فطرت اور روح کا ایک لطیف اشارہ ہے۔

الہامی اور مذہبی پابندیاں جن کو پیغمبرِ وقت اپنے زمانہ میں ظاہر کرتے رہے ہیں، اس لطیف اشارے کو صحیح اور مفید راستے پر ڈالتی ہیں، اور اس طرح انسان ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتا ہے غرض یہ ہے کہ عقل اور مذہب نے جو پابندیاں فطری رجحان پر عائد کی ہیں وہ فطرت کے خلاف اور متضاد نہیں بلکہ مقاصدِ فطرت کی مفسر اور خود فطرت کے لیے معین و مددگار ہیں۔

عقل و مذہب کے مراتب اور ان کے اختلاف کی حقیقت ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مذہب یعنی خدا کا وجود اور اس کی یکتائی کا یقین فطرتِ انسانی کا ایک اشارہ ہے۔ اس لطیف اشارے کے مقاصد کی تفسیر عقل و مذہب کے احکام سے ہوتی ہے۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ لطیف اشارے کی اصل کیا ہے۔

تمام اقوامِ عالم کا عاجزی اور عبادت کے افعال و اعمال کی طرف رجحان اس لطیف اشارے کو بتاتا ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ذکر فرمایا۔

واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم	اور جب خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی نسل کو نکالا
ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست	اور خود ان کو انہی پر گواہ کیا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"
بربکم قالوا بلیٰ شھدنا۔	سب بول اٹھے "ہاں ہم گواہ ہیں"۔

جوہرِ حیات اور روح کا فرق اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت کے خمیر میں شروع سے ہی خدا کا اقرار رکھا گیا ہے۔ امتدادِ زمانہ اور اختلافِ عالم کی وجہ سے انسان کو یہ واقعہ اور وہ شہادت جو خدا کے روبرو دی تھی یاد نہ رہی ہو لیکن اقوامِ انسانی کا عبادت کی طرف متفق رجحان اس کی اصلیت پر روشن دلیل ہے۔ اس واقعہ سے، علاوہ اس کے کہ انسان کی فطرت میں خدا کا اقرار موجود ہے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ روح ایک حقیقت ہے افسانہ نہیں اور اس عالم کے پیدا ہونے سے قبل ہی ارواح مخلوق ہو چکی تھیں اور جس کو آج دنیا زندگی اور حیات کہتی ہے وہ اور روح دونوں

الگ الگ چیزیں ہیں ورنہ انسانی حیات اور پیدایش سے پہلے یہ شبہات اور سوال کیسا! غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انسان روح اور حیات سے مرکب ہے۔ گویہ دونوں خدا ہی کی طرف سے آتی ہیں! لیکن ان میں ایک یعنی حیات (زندگی) ایسا خدا کا حکم ہے جو اسباب قدرت طے کرکے انسان تک پہنچتا ہے اور روح خدا کا وہ امر اور حکم ہے جو بلا توسطِ اسباب خدا کی طرف سے آتا ہے اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روح نفسانی خاصۂ انسانی ہے جو انسان کے سوائے دیگر حیوانات، نباتات وجمادات کو میسر نہیں، غرض انسانیت روح اور حیات دونوں کے اجتماع سے نمودار ہوتی ہے کیونکہ مذہب اور عقل دونوں اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ انسان میں اس قسم کے آثار موجود ہیں اول شعور اور ادراک اور جذبۂ ترقی اس لیے کہ آج تہذیب وترقی کے جس بلند مقام پر ہم کھڑے ہیں، جن علوم وفنون کے چشموں سے آج ہم سیراب ہورہے ہیں، جو سہولتیں معاشرت کی آج ہم کو حاصل ہیں، کیا وہ ہمیشہ سے تھیں؟ ہرگز نہیں انسان اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں تدریجاً ترقی کرتا آیا ہے۔ زمانۂ حال نے ماضی سے فائدہ حاصل کیا اور ماضی وحال دونوں کی ترقیوں میں عقل وشعور وادراک کی کارفرمائیوں نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ انسان نے جزئیات سے کلیات بنائے اور اپنے تجربوں سے سربستہ رازوں کو آشکارا کیا۔ کبھی ایک حالت پر قائم نہ رہا۔

اُس نے اپنی بُری حالت کو بہتر اور بہتر کو بہترین بنانے کی سعی کی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ جو انسان قدیم زمانہ میں غاروں میں رہتا زمین پر سوتا، آگ سے گرمی اور روشنی حاصل کرتا اور پتھر سے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ آج بنگلوں میں آرام کرتا، بجلی سے روشنی اور گرمی حاصل کرتا بندوقوں، توپوں، ہوائی جہازوں اور گیسوں سے مقابلہ کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل حیوانات میں یہ بات نظر نہیں آتی۔ ان کی تاریخ اس جذبہ سے یکسر خالی ہے۔ جہاں ہزار برس پہلے تھے وہیں آج بھی ہیں۔ انسانی تمدن کی بنیادیں اور مادی دنیا کا کل فروغ مندکرہ بالا آثار پر روشن دلیل

ہے۔ اسی وجہ سے انسان تمام دنیا پر دسترس رکھتا ہے۔ یہ آثار درحقیقت حیات اور زندگی کے آثار ہیں جو انسان اور حیوانوں میں توالد و تناسل کا ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے آثار جو انسان سے ظاہر ہوتے ہیں وہ مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد اور افعال عبادت کی طرف میلان ہے۔ درحقیقت یہ آثار روح کے ہیں نہ حیات کے کیونکہ ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف لوٹتی ہے۔ اس لیے حیات و زندگی اور اس کے تمام مقتضیات یہیں تمام ہو جاتے ہیں لیکن جو رب الارواح کی طرف سے آتی ہے اپنی اصلیت کی طرف لوٹتی ہے۔ خود روح کا تقاضا یعنی خدا کی طرف میلان بھی ہمارے اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے۔ ہمارے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حقیقتِ انسانی، حیاتِ انسانی سے فرید در افضل ہے۔ کیونکہ اگر انسانیت کی حقیقت بھی وہی ہے جو دیگر حیوانات کی یعنی انسانی حیات اور حیوانی حیات میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جس طرح حیات حیوانی کا باعث توالد و تناسل ہے۔ اسی طرح انسانی حیات بھی ظاہر ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ انسان میں ایسی خصوصیات کہاں سے آئی ہیں جو دیگر مخلوقات میں نہیں پائی جاتیں یعنی مذہب اور اس کے مقتضیات کی دیگر چیزیں یعنی عقل اور نطق بالعلم ہر چیز میں اپنی اپنی حیات اور زندگی کے مطابق پائی جاتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ حیاتِ انسانی حیاتِ حیوانی سے بالاتر اور ترقی یافتہ ہے۔ اسی لیے نفسِ حیات کے اثرات یعنی عقل اور نطق بھی اس میں بالاتر اور ترقی یافتہ پائے جاتے ہیں لیکن اقتضائے مذہب کا اختیار مخصوص اور عرفانی جذبہ کے ساتھ شعبۂ حیوانات میں نہیں پایا جاتا اور یہ خصوصیت صرف انسان ہی کی ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسانی خصوصیات وہی نہیں جو عقلاء و فلسفہ و سائنس والوں اور اہلِ نجوم کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں بلکہ سب سے بڑی خصوصیات وہ ہیں جو پیغمبرانِ کرام کے ذریعہ ظاہر ہوئی ہیں۔

موجودہ دور میں اگر خصوصیات انبیار کا اظہار نہ ہو، خواہ قلتِ کمالات کی وجہ سے یا فقدانِ مطلق کی وجہ سے تو محض اس لیے ان خصوصیات کا انکار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر بالفرض کوئی قوم دنیائے سائنس کے لیے تاتاری بن کر دنیا میں نمودار ہو اور وہ سائنس کے تمام قابلِ فخر آلات اور علوم کتب کو فنا کر دے یا دنیا کے لوگ خود ہی اس کے مضر اثرات سے تنگ آکر اس سے قطع نظر کریں اور ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں صدیاں گذرنے کے بعد سائنس والوں کا پیدا ہونا اور ان کے کمالات کا ظاہر ہونا بند ہو جائے تو کیا سائنس کے کمالات کے وجود کا اس وجہ سے انکار کرنا کہ اب اس کا ظہور نہیں ہو رہا ہے صحیح ہوگا؟

اسی طرح اگر اس زمانہ میں کمالاتِ نبوت کی طرف دنیا کی توجہ نہ رہی اور روحانی راستے پر عرصہ سے لوگوں نے چلنا ترک کر دیا ہو اور اس غفلت اور جمود کو صدیاں ہو گئی ہوں تو کیا اس وجہ سے روحانیت کا انکار قرینِ عقل و صواب ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان خصوصیات کا اصل مبدأ معلوم کرنے کی ضرورت ہے جو خاص زمانۂ سابق میں یا زمانۂ حال میں ظاہر ہوئی ہوں سو ظاہر ہے کہ روحانی خصوصیات اور مذہبی خصوصیات صرف انسان میں پائی گئی ہیں ہمارے نزدیک انسان کی اُن خصوصیات کا سرچشمہ اور منبعِ حیات سے الگ صرف روحِ انسانی ہے۔ روحِ انسانی دل و دماغ کو اعلیٰ اور برتر مقصد کی طرف لیجاتی ہے۔ زندگیِ جاوید کی تمنا انسان میں پیدا کرتی ہے۔ خود روح براہ راست زندۂ جاوید ازلی و ابدی روح سے روشن ہوتی ہے۔ اس لیے اُس میں وہ رنگ موجود ہے جو اصل منبع کا حقیقی رنگ ہے۔ اسی زندگیٔ جاوید کے جذبہ کو حافظ شیرازیؒ نے ظاہر کیا ہے۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اور اُس کا رُخ ہمیشہ خدا اور اس کی عبادت کی طرف ہوتا ہے بشرطیکہ یہ روح اپنی اصلی حالت میں

باقی رہے۔ بُرے افعال و اعمال کا میل نہ آنے پائے اور جذبہ عقل ہی میں محو ہو کر نہ رہ جائے، اسی لیے بہت سے انسان ریاضتِ روحانی اور مذہب پر عمل کر کے غیبی عالم کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ روح کا اثر ہے نہ حیات کا۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عقل کا تعلق حیات سے ہے اور روح کا مذہب سے۔ روح عقل پر حاوی ہے، اس لیے روح کے اثرات مذاہب کے احکام کے خلاف نہیں ہوتے، چونکہ عقل کا تعلق حیات سے ہے اور حیات کی حقیقت روح کی حقیقت سے بہت کمزور اور کمتر ہے کیونکہ روح بلا واسطہ امر رب اسبابِ حیات سے گذر کر انسان تک پہنچی۔ اس لیے روح کے بہت سے احکام اور اثرات و مقتضیات عقل میں نہیں آتے اور صرف عقل ان کے سمجھانے کے لیے کافی نہیں بلکہ کسی بڑی روح کی ضرورت ہے جو اپنے مقتضیاتِ روحانی سے اس کو سمجھا سکے اور اس کا یقین دلا سکے اس لیے عقلا اور فلاسفہ کی موجودگی میں بھی انبیاء کی ضرورت ہوتی ہے اور انبیاء وہ ہوتے ہیں جو عقل و فلسفہ کے کمالات کے ساتھ جو فطرۃً ان کو حاصل ہوتے ہیں سب سے بڑی روح یعنی رب الارواح سے انتہائی وابستہ ہوتے ہیں۔ اور اس وابستگی کی ابتدا، انبیاء کے کسب سے نہیں ہوتی بلکہ خدائی مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کسی بڑی سعید روح کو انتخاب کر لیتا ہے اور پھر اُس کو دنیا میں بھیج کر رشد و ہدایت کا کام انجام دلاتا ہے اور اس طرح مسائلِ علم، اعتقاد و یقین کی وہ پیچیدگیاں جو مذہبی احکام کے خلافِ عقل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ عوام و خواص کی عقل سے بالاتر ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں، انبیاء کرام کے ذریعہ درست کی جاتی ہیں۔ یہ خصوصیاتِ روح ہیں اور خصوصیات روح ہی مختلف قابلیتوں کے لحاظ سے مختلف انسانوں میں ظاہر ہوتی ہیں لیکن ان کا انسان کے سوا دوسری مخلوق حیوانات وغیرہ میں پتہ نہیں ملتا لیکن خصوصیات روح کے سوا انسان میں دوسری خصوصیاتِ حیات ہیں اور عقل درحقیقت حیات کا لازمی اثر

ہے جس درجہ کی حیات ہوگی اسی درجہ کی عقل بھی پائی جائیگی لیکن مطلق عقل سے کوئی ذی حیات محروم نہیں! حیات کے مقابلہ پر روح صرف انسان ہی کا خاصہ ہے حیوانات میں اس کا پتہ نہیں

روح و روحانیت افسانہ نہیں بلکہ حقائق ہیں

جن لوگوں نے حیات و روح کو ایک ہی حقیقت سمجھا ہے وہ حیات کی تہہ میں روح کو دیکھنا چاہتے ہیں بالآخر اُن کو روح ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے مگر خیال کم نظری پر مبنی ہے۔ حیات و روح دو الگ حقیقتیں ہیں۔ انسانیت ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ انسان دو وجہ سے حیوان سے الگ معلوم ہوتا ہے۔ اوّل انسان کی عقلِ کلّی یعنی دیگر حیوانات سے بالاتر عقل، دوسرے عقلِ کلّی کی وجہ کر انسان ترقی کی طرف گامزن ہے اور ابتداء سے اس وقت تک برابر بتدریجاً مادّی ترقی کرتا آیا ہے اور روح کی وجہ سے اس میں خدا کے وجود کا اقرار اور عبادت کا میلان ہے۔ روح کیونکہ غیبی چیز ہے اسی لیے اس کے احکام جو اصول کا درجہ رکھتے ہیں عالمِ غیب ہی سے متعلق ہے۔ حشر و نشر، جنت و دوزخ وغیرہا غیبی امور کا کامل یقین بھی اسی طرح بغیر روحانی فکر و عمل کے حاصل نہیں ہوتا جس طرح انسان کی عقل کُلّی کے احکام بدون عقلی تدبر کے ظاہر نہیں ہوتے۔ مذہبی احکام کا کامل یقین بغیر دو طریقوں کے حاصل نہیں ہو سکتا یا کسی بڑے مسلم الثبوت ناقابلِ انکار انسان کے تجربے اور اس کے اقوال پر یقین کیا جائے۔ جیسے پیغمبرانِ کرام، اولیاء اللہ یا خود اس راستہ پر گامزن ہو کر احکام غیبی کے مبادی کا یقین حاصل کیا جائے۔ موجودہ دور مادی دور ہے عقلی زمانہ ہے اس لیے روحانیت سے غفلت پائی جاتی ہے غیبی امور میں یقین نہیں کیا جاتا لیکن اس مادّی دور میں بھی جب کبھی روحانیت کی طرف توجہ کی گئی تو کچھ نہ کچھ ایسی چنگاریاں محسوس ہوئیں جن سے روحانیت کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ ادنیٰ روحانیت ہے جو صرف انسانیت سے متعلق ہے لیکن ایمان و اسلام کے ارتباط سے اس روحانیت میں غیر معمولی پرواز اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے